ڈاکٹر ارشد محمود ناشاد

ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبۂ اُردو علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد۔

مولانا حالیؔ اور غزل کا فن

Dr. Arshad Mahmood Nashad
Associate Professor, Allama Iqbal Open University, Islamabad.

Maulana Hali and the Art of Ghazal

Maulana Altaf Hussain Hali is undoubtedly the founder of modern literature. He dedicated genres like criticism, poetry and biography with the taste of freshness. Muqadama Shair O Shairi is the first reliable example of theoretical criticism in Urdu. During his tenure in Lahore, he laid the foundation stone of the modern poetry movement along with Maulana Muhammad Hussain Azad. Although he was educated under the shadow of Eastern literature, he soon got tired of its monotony. Western literature began to feel close to his heart. He loved the utilitarian aspect of literature. Ghazal, which is the most representative genre in Eastern literature, became a target of his criticism. It is generally believed that he was opposed to the ghazal genre, but the fact is that he disliked ghazal due to the homogeneity of the themes of the ghazal. He was opposed to excessive unnatural color in the ghazal. Hali was a practical person, so he wrote ghazals according to his ideas, which were not liked by a large section of Urdu literature and his ghazals were called unhealthy poetry. There is no doubt that Hali made Ghazal a subject of criticism for the first time like other poetry genres. His influence had a far-reaching impact on Ghazal. This article examines Maulana Hali's views on Ghazal.

انیسویں صدی کے نصفِ آخر میں برعظیم پاک وہند سماجی اور سیاسی تبدیلیوں سے دوچار ہوا۔ ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی میں ہندوستانیوں کی ناکامی نے اُنھیں اس درجہ شکستہ اور نڈھال کر دیا کہ وہ ایک طویل عرصہ تک زندگی کے منظر نامے میں فعال کردار ادا کرنے کی صلاحیت سے محروم رہے۔ جاگیردارانہ نظام کے زوال اور مشینی دور کے آغاز نے تہذیب وتمدن کی اُس بساط کو لپیٹ دیا جو ہندوستان کی مختلف قوموں کے میل جول اور قرب ویگانگت کے باعث وجود پذیر ہوئی تھی۔ اس معاشرتی انقلاب کے باعث

مذہبی اور اخلاقی قدریں تغیر آشنا ہوئیں۔ فکر اور اندازِ فکر کے زاویے بدلنے لگے اور پرانے مسائلِ حیات کی جگہ نئے مسائل نے لے لی۔ بدلتے ہوئے اس منظر نامے میں حدود و قیود کے بند ٹوٹے اور نئے تجربات کے در وا ہونے لگے۔ اس موڑ پر زندگی کے باقی شعبوں کی طرح ادب کی اخلاقیات، نظریات اور موضوعات میں بھی تغیر و تبدل کی ضرورت محسوس کی جانے لگی۔ اظہار کے نئے سانچوں اور بیان کے نئے قرینوں کو استعمال کرنے کا شوق بے دار ہوا۔ ادب کے رنگِ جدید کی تعمیر و تشکیل میں انگریزی تعلیم و ادب نے نمایاں حصہ لیا۔ علی گڑھ اور انجمنِ پنجاب کی تحریکوں نے جدید رنگِ ادب کو روشناسِ خلق کرنے میں موئثر کردار ادا کیا۔ چوں کہ ان تحریکوں کی اساس مغربی فکر و نظر پر اُٹھائی گئی تھی، اس لیے ان تحریکوں نے نئی نسلوں کو مشرقی طرزِ احساس سے کافی حد تک بے گانہ کر دیا۔

اردو ادب بالخصوص شاعری کو اس نئے ماحول سے ہم آہنگ کرنے میں جس شخص نے سب سے اہم کردار ادا کیا وہ مولانا الطاف حسین حالیؔ (۱۸۳۷ء تا ۱۹۱۵ء) تھے۔ مشرقی علوم و فنون کا شناور اور عاشق ہونے کے باوجود اُنھوں نے نئے رجحانات اور جدید افکار کو خوش آمدید کہا اور زمانے کے تقاضوں کو سمجھتے ہوئے اپنے ادب و شعر کے ''فرسودہ'' اور ''کہنہ'' لباس کو تبدیل کرنے کی سعی کی۔ اعتدال سے بڑھی ہوئی اس سرگرمی کے نتیجے میں وہ نشانۂ ملامت اور ہدفِ تنقید ٹھہرے اور روایت آشنا حلقوں نے ان کی '' اصلاحات'' کا مذاق اُڑایا تاہم اُن کی نیک نیتی اور اخلاص کی بدولت اُن کی اصلاحات نے مخالفتوں اور رکاوٹوں کے بند توڑ کر مقبولیت حاصل کی اور ایک زمانے کو اپنا ہم نوا بنالیا۔ حالیؔ کی ذہن سازی میں اُن کے فطری رجحانِ طبع کا عمل دخل سب سے نمایاں ہے۔ وہ ابتدا سے ہی ''در مع الدھر کیف دار'' کے قائل تھے اور طرزِ کہن پہ اَڑنا ان کے مسلک کے خلاف تھا۔ مبالغہ اور اغراق سے اُن کی طبیعت گھبراتی تھی اور سادگی و صاف بیانی اُن کے نزدیک کلام کا بنیادی وصف تھی۔ حالات کی ناہم واری نے ان کے دل کو گداز کر دیا تھا۔ دہلی میں تعلیم کے دوران میں جب کہ وہ میدانِ سخن میں نووارد تھے اور ''خستہ'' تخلص کرتے تھے؛ مرزا اسد اللہ خان غالبؔ سے متاثر ہو کر اُن کے حلقۂ شاگردی میں آگئے اگرچہ بہ قول اُن کے یہ شاگردی اُن کے حق میں زیادہ سود مند ثابت نہ ہوئی تاہم اسی وسیلے سے اُنھیں نواب مصطفی خان شیفتہؔ کے قریب آنے کا موقع ملا، حالیؔ آٹھ سال تک شیفتہؔ کے بچوں کے اتالیق رہے۔ شیفتہؔ کی صحبت نے اُن کی فطری اصلاح پسندی، صاف بیانی اور سادہ گوئی کو مزید جلا بخشی۔ ان اثرات کا ذکر حالیؔ کی زبانی سُنیے:

"شیفتہ مبالغہ کو ناپسند کرتے تھے اور حقائق و واقعات کے بیان میں لطف پیدا کرنا اور سیدھی سادی اور سچی باتوں کو محض حسنِ بیان سے دل فریب بنانا، اسی کو منتہائے کمالِ شاعری سمجھتے تھے۔ چھچھورے اور بازاری الفاظ و محاورات اور عامیانہ خیالات سے شیفتہؔ اور غالبؔ دونوں متنفر تھے... اُن کے خیالات کا اثر مجھ پر پڑنے لگا اور رفتہ رفتہ ایک خاص قسم کا مذاق پیدا ہو گیا۔"(۱)

نواب شیفتہؔ کے انتقال (۱۸۶۹ء) کے بعد تلاشِ معاش اُنھیں لاہور لے آئی، جہاں وہ گورنمنٹ بک ڈپو میں ملازم ہو گئے۔ یہاں اُن کا کام انگریزی کتابوں کے اردو تراجم کے الفاظ و محاورات، اسلوبِ بیان اور عبارت کی درستی تھا۔ انگریزی کتب سے اس ربط ضبط، مولانا محمد حسین آزاد کی صحبت اور انجمنِ پنجاب سے وابستگی نے اُن پر نئی دنیا کے دروازے کھول دیے۔ مغربی افکار کی "چکاچوند" نے اُنھیں ایسا اپنی طرف مائل کیا کہ قدیم مشرقی ادب سے بے تعلقی پیدا ہونے لگی، اُنھوں نے خود لکھا ہے:

"انگریزی لٹریچر کے ساتھ فی الجملہ مناسبت پیدا ہو گئی اور نامعلوم طور پر آہستہ آہستہ مشرقی لٹریچر اور خاص کر فارسی لٹریچر کی وقعت دل سے کم ہونے لگی۔"(۲)

قدیم مشرقی ادب سے یہ بے زاری روز بہ روز بڑھنے لگی اور وہ "نیچرل شاعری" کا راگ الاپنے لگے۔ اندازِ نظر کی اس تبدیلی کو اُنھوں نے اپنا عقیدہ بنالیا اور مشرقی ادبیات کے ذخیرے کو "فرسودہ" خیال کرنے لگے۔ سر سید احمد خان اور علی گڑھ تحریک سے جذباتی اور عقیدت مندانہ وابستگی نے اُن کے اس اصلاح پسندانہ نقطۂ نظر کو اور زیادہ مہمیز کیا اور سر سید کی سرپرستی میں اُن کے سینے میں دبی چنگاریاں شعلۂ جوّالا کی شکل اختیار کر اٹھیں اور وہ مشرقی ادب کی "ناپاکی" کو ختم کر کے اسے "صالحیت" کے دائرے میں لانے کے لیے سرگرم عمل ہو گئے۔

مولانا حالیؔ کی قدیم و جدید غزلوں کے تکنیکی خدوخال کا جائزہ لینے سے پیش تر اُن کی مجوزہ اصلاحاتِ غزل پر ایک نظر ڈالنا زیادہ ضروری ہے اگرچہ اُنھوں نے غزل کے فکری پہلو پر زیادہ زور دیا ہے تاہم ہیئت اور تکنیک کے حوالے سے بھی اصلاحات پیش کی ہیں؛ جن کا خلاصہ درج ذیل ہے:

(۱) "غزل میں جو عشقیہ مضامین باندھے جائیں وہ ایسے جامع الفاظ میں ادا کیے جائیں جو دوستی اور محبت کی تمام انواع و اقسام اور تمام جسمانی اور روحانی تعلقات پر حاوی ہوں اور جہاں تک ہو سکے کوئی ایسا لفظ نہ آنے پائے جس سے کھلم کھلا مطلوب کا مرد یا عورت ہونا پایا جائے۔ مثلاً: کلاہ، چیرہ، دستار، جامہ، قبا، سبزہ و خط،

مسیں بھیگنا، زر گر پسر، مطرب، مغبچہ، ترسابچہ وغیرہ یا محرم، کرتی، مہندی، چوڑیاں، موباف، آرسی، جھومر وغیرہ۔)"(۳)

(ب)"جس طرح ہماری غزل کے مضامین محدود ہیں اسی طرح اس کی زبان بھی ایک خاص دائرے سے باہر نہیں نکل سکتی کیوں کہ چند معمولی مضمون جب صدیوں تک برابر رٹے جاتے ہیں تو زبان کا ایک خاص حصہ ان کے ساتھ مخصوص ہو جاتا ہے جو کہ زبانوں پر بار بار آنے اور کان سے بار بار سُننے کے سبب زیادہ مانوس اور گوارا ہو جاتا ہے، یہاں تک کہ اگر ان الفاظ کی جگہ دوسرے الفاظ جو اُنھی کے ہم معنی ہوں ،استعمال کیے جائیں تو غریب اور اجنبی معلوم ہوتے ہیں۔ غزل کے یہاں ایک لفظ بھی غیر مانوس ہو تو اولو معلوم ہوتا ہے، گلاب کے تختہ (قصیدہ، مثنوی، واسوخت وغیرہ) میں کانٹے بھی پھولوں کے ساتھ نبھ جاتے ہیں مگر گل دستہ (غزل) میں ایک کانٹا بھی کھٹکتا ہے۔۔ اگر دفعتاً اس میں کثرت سے غیر مانوس اور اجنبی ترکیبیں اور اسلوبِ بیان داخل ہو جائیں تو غزل ایسی ہی گٹھل ہو جائے، جیسی کہ بعض شعرا کی غزل عربی اور فارسی کے غیر مانوس الفاظ اور ترکیبیں اختیار کرنے سے ہو گئی ہے۔ حالاں کہ غزل کو بہ اعتبارِ مضامین وسعت دینا بہ ظاہر اس بات کا مقتضا ہے کہ زبان اور طریقۂ بیان کو بھی وسعت دی جائے۔ پس ضرور ہے کہ کوئی ایسا طریقہ اختیار کیا جائے کہ طریقۂ زبان میں دفعتاً کوئی بڑی تبدیلی بھی واقع نہ ہو اور باوجود اس کے غزل میں ہر قسم کے خیالات عمدگی کے ساتھ ادا ہو سکیں۔"(۴)

(ج)"اصنافِ سخن میں عموماً اور غزل میں خصوصاً اس اصول کو ملحوظ رکھیں کہ سلسلۂ سخن میں نئے اسلوب جہاں تک ممکن ہو کم اختیار کیے جائیں اور غیر مانوس الفاظ کم برتے جائیں مگر نامعلوم طور پر رفتہ رفتہ اُن کو بڑھاتے رہیں اور زیادہ تر کلام کی بنا قدیم اسلوبوں اور معمولی الفاظ و محاورات پر رکھیں مگر الفاظ کے حقیقی معنوں ہی پر قناعت نہ کریں بل کہ ان کو کبھی حقیقی معنوں میں، کبھی مجازی معنوں میں، کبھی استعارہ و کنایہ کے طور پر اور کبھی تمثیل کے پیرائے میں استعمال کریں ورنہ ہر قسم کے خیالات ایک نپی تلی زبان میں کیوں کر ادا کیے جا سکتے ہیں۔"(۵)

(د)"بعض مضامین فی نفسہٖ ایسے دل چسپ اور دل کش ہوتے ہیں کہ ان کو محض صفائی اور سادگی سے بیان کر دینا کافی ہوتا ہے مگر بہت سے خیالات ایسے ہوتے ہیں کہ معمولی زبان ان کو ادا کرتے وقت رو دیتی ہے اور معمولی اسلوب ان میں اثر پیدا کرنے سے قاصر ہوتے ہیں، ایسے مقام پر اگر استعارہ اور کنایہ یا تمثیل

وغیرہ سے مدد نہ لی جائے تو شعر شعر نہیں رہتا بل کہ معمولی بات چیت ہو جاتی ہے...شاعر کا یہ ضروری فرض ہے کہ مجاز واستعارہ وکنایہ وتمثیل وغیرہ کے استعمال پر قدرت حاصل کرے تاکہ ہر روکھے پھیکے مضمون کو آب و تاب کے ساتھ بیان کر سکے لیکن استعارہ وغیرہ میں اس بات کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ مجازی معنی فہم سے بعید نہ ہوں ورنہ شعر چیستان اور معتما بن جائے گا۔"(۶)

(ہ)"صنائع بدائع پر کلام کی بنیاد رکھنے سے اکثر معنی کا سر رشتہ ہاتھ سے جاتا رہتا ہے اور کلام میں بالکل اثر باقی نہیں رہتا۔ کیوں کہ مخاطب کے دل میں یہ خیال گزرتا ہے کہ شاعر نے ترتیب میں تصنع کیا ہے اور الفاظ میں اپنی کاری گری ظاہر کرنی چاہی ہے، بالکل شعر کی تاثیر کو زائل کر دیتا ہے۔ پس صنائع کی پابندی اور التزام سے تمام اصنافِ سخن میں عموماً اور غزل میں خصوصاً ہمیشہ بچنا چاہیے۔"(۷)

(و)" سنگلاخ زمینوں میں اس کے سوا اور کچھ مقصود نہیں ہوتا کہ دوبے میل چیزوں میں میل ثابت کیا جائے۔ پس شاعر کو چاہیے کہ ردیف ایسی اختیار کرے جو قافیہ سے میل کھاتی ہو اور ردیف و قافیہ دونوں مل کر دو مختلف کلموں سے زیادہ نہ ہوں۔ بل کہ رفتہ رفتہ مردف غزلیں لکھنی کم کرنی چاہییں اور سرِ دست محض قافیہ پر قناعت کرنی چاہیے۔ قافیہ ایسا اختیار کرنا چاہیے جس کے لیے قدرِ ضرورت سے دس گنے بل کہ بیس گنے الفاظ موجود ہوں ورنہ مضمون کو قوافی کا تابع کرنا پڑے گا، قافیے مضمون کے تابع نہ ہوں گے۔ جتنے نام ور شعرا گزرے ہیں اُنھوں نے یہی اصول ملحوظ رکھا ہے اور ہمیشہ ایسی زمینیں اختیار کی ہیں جن میں ہر قسم کے مضمون کی گنجائش ہو۔"(۸)

مولانا حالیؔ کی متذکرہ بالا اصلاحاتِ غزل کا گہرا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ اُنھیں روایتی موضوعاتِ غزل سے جس قدر نفرت تھی اس قدر وہ غزل کی تکنیکی اور ہیئتی خال وخط سے متنفر نہ تھے البتہ وہ غزل کی ریزہ خیالی، زبان وبیان کی پیچیدگی، قافیے کی سختی، ردیف کی پابندی اور صنائع بدائع کے بے ہنگم استعمال پر پر چیں بہ جبیں ضرور تھے اور اُنھوں نے اصلاحاتِ تکنیک میں انھی پہلوئوں پر زیادہ زور دیا ہے۔ مولانا حالیؔ کا خیال تھا کہ غزل کا سانچا (ہیئت) باقی اصناف کے مقابلے میں زیادہ موزوں اور کشادہ ہے۔ شاعر کو ہر وقت فرصت میسر نہیں ہوتی کہ وہ طولانی نظمیں کہہ کر اپنے خیالات کا اظہار کر سکے اس لیے قوتِ متخیلہ کو بے کاری سے بچانے اور تازہ کیفیات کے اظہار کے لیے غزل سے بڑھ کر کوئی ذریعہ قوتِ متخیلہ کو بے کاری سے بچانے اور تازہ کیفیات کے اظہار کے لیے غزل سے بڑھ کر کوئی آلہ نہیں ہو سکتا۔ یہی

سبب ہے کہ انھوں نے غزل کی ''اصلاح'' کو زیادہ اہم جانا اور غزل کی درستی کا بیڑا اُٹھایا۔ مولانا حالیؔ چوں کہ عملی آدمی تھے، اس لیے اپنے کہے کو ''عملی جامہ'' پہنانے کے لیے انھوں نے قدیم طرزِ سخن کو ترک کیا اور جدید طرز کی حامل غزلیں کہنے لگے۔ ۱۸۹۳ء میں جب ان کا دیوان شائع ہوا تو حصۂ غزل میں رنگِ قدیم کی صرف تیس جب کہ رنگِ جدید کی چھیاسی غزلیں شامل تھیں۔ اس میں کچھ شبہ نہیں کہ ان کی جدید رنگ کی غزلیں ''منظوم نصائح'' کے درجے پر فائز ہیں۔ ان میں بے رنگی اور بے کیفی بھی موجود ہے اور شاید یہی وجہ ہے کہ ان کی جدید غزلوں نے وہ اثر پیدا نہیں کیا جس کے وہ آرزومند تھے۔ رشید حسن خاں نے حالیؔ کے جدید رنگِ سخن کا تجزیہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

''کلاسیکی اندازِ غزل سرائی کی جو نہایت درجہ مستحکم اور ہمہ گیر روایت موجود تھی اور موجود ہے، وہ ایسی ہلکی پھلکی پیوند کاری کو قبول کر ہی نہیں سکتی تھی، خاص کر اس صورت میں جب پیوند کار نیا نیا ''مسلمان'' ہوا ہو اور کوشش کر کے پچھلے عقیدے کو بھول جانا چاہتا ہو، عقیدہ تو بدل گیا کہ وہ اپنے بس کی چیز تھی، طبیعت نہیں بدل پائی کہ وہ اپنے قابو کی بات نہیں ہوتی اور غزل کی روایت بھی نہیں بدل پائی کہ وہ کسی ایک مصلح تو کیا سیکڑوں مصلحین کے بس کی بات نہ تھی اور نہ ہے۔ حالیؔ مصلحِ قوم بن سکے تھے اور بنے، واعظِ قوم ہو سکتے تھے اور ہوئے مگر ایسا مجتہد یا مجدّد بننا اُن کے قابو سے باہر کی بات تھی کہ ایک صنف کے مزاج، انداز، اس کی اندرونی فضا اور اس کے ٹھاٹھ کو اس آسانی کے ساتھ بدل دیں اور اس میں ایسے مضامین شامل کرنا چاہیں جو کتنے ہی مفید ہوں، مگر غزل کے اپنے موضوعات کے مقابلے میں بالکل بے رنگ بل کہ بد رنگ نظر آئیں۔ اتنی بڑی روایت کو اس قدر ہلکے پھلکے عناصر بدل ہی نہیں سکتے تھے۔''(۹)

مولانا حالیؔ بالطبع جدید نہ تھے یہی سبب ہے کہ ان کی جدید غزلوں میں بھی ایسے اشعار مل جاتے ہیں جو حقیقی شعر گوئی یا روایتی طرزِ سخن کے غماز ہیں۔ اُنھوں نے غزل کی تکنیک میں بھی انھی عناصر کی پیروی کی ہے جو روایتی اور کلاسیکی غزل کا طرۂ امتیاز ہیں، البتہ اپنی اصلاحاتِ تکنیک میں جن امور کا اُنھوں نے ذکر کیا تھا اپنی غزلیات میں ان کی پاس داری کی ہے جیسے اُنھیں غزل کی ریزہ خیالی سے کسی قدر چڑ تھی اور اس کے مقابلے میں مسلسل غزل کو وہ پسند کرتے تھے۔ ان کے دیوان میں کئی مسلسل غزلیں ملتی ہیں۔ وحدتِ مضمون کے باعث ان کی غزلیں نظم کے رنگ و آہنگ کی حامل دکھائی دیتی ہیں۔ ذیل میں ان کی چند مسلسل غزلوں کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے:

☆ جیتے جی موت کے تم منھ میں نہ جانا ہر گز

☆ اے بہارِ زندگانی الوداع

☆ دل کو درد آشنا کیا تُو نے

☆ کاٹیے دن زندگی کے اُن یگانوں کی طرح

☆ خوبیاں اپنے میں گو بے انتہا پاتے ہیں ہم

☆ کرتے ہیں سو سو طرح سے جلوہ گر

☆ بڑھائو نہ آپس میں ملت زیادہ

☆ اے عشق تو نے اکثر قوموں کو کھا کے چھوڑا

☆ کہیں الہام منوانا پڑے گا

☆ حقیقت محرمِ اسرار سے پوچھ

☆ قلق اور دل میں سِوا ہو گیا وغیرہ

اُن کے نزدیک ردیف ادائے مطلب میں مزاحم ہوتی ہے اور قافیہ کے ساتھ اس کا میل ملاتے ملاتے شعر اور خیال کا خون ہو جاتا ہے ،اس لیے اُنھوں نے اپنی اصلاحات میں شعرا کو مشورہ دیا کہ غیر مردّف غزلوں کو رواج دینا چاہیے اور اگر ردیف کا استعمال ناگزیر ہو تو ایک یا دو کلمات کی حامل ردیفیں استعمال کرنی چاہییں۔ ان کی غزلیات کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ اُنھوں نے ردیف کے سلسلے میں اسی قاعدے کی پیروی کی ہے۔ اُن کی ردیفیں ایک یا دو الفاظ پر مشتمل ہیں اور کئی غزلیں غیر مردّف ہیں۔

حالیؔ چوں کہ سادہ بیانی کے قائل اور داعی تھے، اس لیے اُن کے کلام میں آرائشی عناصر جیسے تراکیب، تشبیہات و استعارات، مبالغہ اور دیگر صنائع و بدائع کا استعمال تقریباً نہ ہونے کے برابر ہے۔ اس قید نے اُن کے کلام کو بے رنگ اور کسی حد تک بے اثر بنا دیا ہے۔ وہ شاعری میں لفظ کی قدر و منزلت سے آگاہ تھے؛ اُنھیں حساس تھا کہ لفظ کا درست اور بر محل استعمال خیال کی مؤثر ترسیل اور تخلیق کی تاثیر کا ذریعہ ہے ۔ مقدمہ شعر و شاعری میں اُنھوں نے لفظ کو خیال پر ترجیح دی ہے، انتخابِ الفاظ کی اہمیت کے حوالے سے وہ رقم طراز ہیں:

"شعر میں دو چیزیں ہوتی ہیں۔ایک خیال، دوسرے الفاظ۔خیال تو ممکن ہے کہ شاعر کے ذہن میں فوراً ترتیب پا جائے مگر اس کے لیے الفاظِ مناسب کا لباس تیار کرنے میں ضرور دیر لگے گی۔یہ ممکن ہے کہ ایک مستری مکان کا نہایت عمدہ اور نرالا نقشہ ذہن میں تجویز کر لے مگر یہ ممکن نہیں کہ اس نقشہ پر مکان بھی ایک چشم زدن میں تیار ہو جائے۔وزن اور قافیہ کی اوگھٹ گھاٹی سے صحیح سلامت نکل جانا اور مناسب الفاظ کے تفحص سے عہدہ برا ہو تا کوئی آسان کام نہیں ہے...شاعری کا مدار جس قدر الفاظ پر ہے اس قدر معانی پر نہیں۔معانی ایسے ہی بلند اور لطیف ہوں اگر عمدہ الفاظ میں بیان نہ کیے جائیں گے ہر گز دلوں میں گھر نہیں کر سکتے اور ایک مبتذل مضمون پاکیزہ الفاظ میں ادا ہونے سے قابلِ تحسین ہو سکتا ہے۔"(۱۰)

الفاظ کی قدر و قیمت کا عرفان رکھنے کے باوجود انھوں نے اپنی غزلوں میں کئی ایسے لفظ برتے ہیں جو غرابت اور ثقالت کے باعث شعر کے حسن کو مجروح کرتے ہیں :ممسک ،دلّالہ،استغراق،دھرپت،چٹھواتے،لقمہ،چرب،دُکھڑا،روبہ،برن،بہیر،دوں،قصّاب،شمۂ مہر و وفا،اہلِ ورع،حاصلِ افیون و بنگ،کحال،کحل الجواہر،فضلہ،روباہ و گرگ،لٹس،جھانجھ ایسے اجنبی اور غریب الفاظ و تراکیب کے استعمال نے اُن کے شعروں کو نقصان پہنچایا ہے۔ایسے غیر غزلیہ الفاظ کے برتاؤ سے اُن کے لہجے کی روانی ٹوٹ ٹوٹ جاتی ہے۔چند مثالیں دیکھیے:

راز دل کی سرِ بازار خبر کرتے ہیں
آج ہم شہر میں خوں اپنا ہدر کرتے ہیں

جب کہ عقبیٰ مل گئی دنیا ہے پھر سہل الوصول
شیخ لگتے ہاتھ اس پر بھی تصرّف کیجیے

چیونٹیوں میں اتحاد اور مکھیّوں میں اتّفاق
آدمی کا آدمی دشمن ، خدا کی شان ہے

اے غمِ دوست تجھی پر نہیں اپنی گزراں
کچھ فتوح اس کے سوا اور ہے بالائی بھی

مولانا حالیؔ شاعری میں وزن کی پابندیوں کی شاکی ہونے کے باوجود اس کی قدر و قیمت سے ناواقف نہ تھے اگرچہ اُنھوں نے وزن اور قافیہ کو شعر کی ماہیت سے خارج قرار دیا ہے اور شعر کی بہ جائے نظم سے مشروط ٹھہرایا ہے۔(۱۱) تاہم اس کے باوجود انھیں یہ احساس تھا کہ "وزن سے شعر کی خوبی اور اس کی تاثیر دوبالا ہو جاتی ہے۔"(۱۲) مولانا حالیؔ مشرقی علومِ شعر سے کماحقہ واقف تھے، پرانی طرز کے مدرسوں میں اُنھوں نے صرف و نحو کے ساتھ ساتھ عروض و قوافی کا درس بھی سبقاً سبقاً لیا ہو گا تاہم اُنھوں نے اپنی فطری سادہ مزاجی اور صاف بیانی کے باعث پیچیدہ اور غیر مروج بحروں میں شعر کہنے کی شعوری کوشش نہیں کی۔ اُن کے دیوان (مطبوعہ ۱۸۹۳ء) میں جدید و قدیم رنگ کی حامل ۱۱۶ غزلیات کے عروضی مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ اُنھوں نے غزل کے لیے ایسے اوزان برتے ہیں جو عام فہم اور رواں دواں ہیں اور جن کی ادائیگی کانوں میں رس گھولتی ہے۔ اگرچہ اُنھوں نے سترہ اوزان میں شعر کہے ہیں تاہم اُن میں بھی کئی اوزان کا استعمال محض تبرکاً ہوا ہے۔ حالیؔ کے مرغوب اوزان یہ ہیں:

۱۔ بحر مضارع مثمن اخرب مکفوف محذوف / مقصور (مفعولُ فاعلاتُ مفاعیلُ فاعلن / فاعلان)
۲۔ بحر رمل مثمن مخبون محذوف / مخبون مسکن محذوف (فاعلاتن فعِلاتن فعِلاتن فعلن)
۳۔ بحر رمل مسدّس مقصور / محذوف (فاعلاتن فاعلاتن فاعلن / فاعلان)
۴۔ بحر خفیف مسدّس مخبون محذوف / مقصور (فاعلاتن مفاعلن فعلن)

مولانا الطاف حسین حالیؔ کے جدید رنگِ غزل کو قبولِ عام کا شرف عطا نہیں ہوا مگر اُن کے تنقیدی خیالات بڑے دُور رس ثابت ہوئے اور جدید غزل کی تعمیر و تشکیل میں اُن کے خیالات کی روشنی نے اپنا بھرپور کردار ادا کیا۔ مولانا حالیؔ کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ اُنھوں نے "مقدمۂ شعر و شاعری" کے ذریعے پہلی بار غزل کے فکری اور فنی پہلوئوں پر گفت گو اور مکالمے کو رواج دیا، اُن سے پیش تر تذکرہ نگاروں نے اتنے بڑے تناظر میں شاعری کو بالعموم اور غزل کو بالخصوص دیکھنے کا جتن نہیں کیا تھا۔ مولانا حالیؔ نے

اپنے اصلاحی جوش و جذبہ کے باعث غزل کو روایت کے چشمۂ صافی سے کاٹنے اور اسے اصلاحِ معاشرہ کا ایک ذریعہ بنانے کی کوشش کی۔ اُن کی ملت دوستی اور اخلاص میں کچھ کلام نہیں مگر صدیوں کی روایت کو یوں یک قلم نظر انداز کر دینا ممکن نہ تھا۔ حالیؔ غزل کے مخالف یا دشمن نہ تھے مگر یہ درست ہے کہ اُن کے افکار اور اصلاحات نے غزل کی مقبولیت کو نقصان پہنچایا۔ حالیؔ نے غزل پر جو مکالمہ آغاز کیا تھا وہ چونکا دینے والا تھا اس لیے وقتی طور پر اس نے اربابِ شعر و سخن کو اپنی طرف متوجّہ کیا۔ اسماعیل میرٹھی، چکبست اور اس عہد کے دیگر چند شاعروں نے حالیؔ کے نقطۂ نظر کی اتباع کی اور اسے فروغ دینے کی کوششیں کیں مگر یہ کوششیں کام یاب نہ ہوئیں اور یہ نقطۂ نظر مجموعی طور پر فکر و نظر کو اپنا بنانے میں ناکام رہا، ڈاکٹر یوسف حسین خان نے اس ضمن میں بہت گہری بات کی ہے، وہ لکھتے ہیں:

"مولانا حالیؔ نے غزل پر جو نکتہ چینی کی وہ اصلاحی محرک کے تحت تھی نہ کہ ادبی مقاصد کے تحت، اُنھیں غزل پر سب سے بڑا اعتراض یہ تھا کہ یہ حسن و عشق کے معاملات کی شاعری ہے۔ عشق، عقل اور اخلاق کو خراب کر دینے والی چیز ہے اس سے جتنا بھی اجتناب کیا جائے اتنا ہی قومی مصالح کی ترقی کا موجب ہو گا۔ ان کے نزدیک عشق بے کاری کا مشغلہ ہے لیکن یہ نقطۂ نظر سطحی تھا، مولانا حالیؔ کی نیک نیتی اور اخلاص میں شبہ نہیں، لیکن اس ضمن میں اُن کا مشورہ قابلِ قبول نہ تھا۔ یہ بات ہمارے ادبی مزاج کی صحت پر دلالت کرتی ہے کہ مولانا حالیؔ کے مشورے کو قبول نہیں کیا گیا۔"(۱۳)

حوالہ جات

۱۔ تذکرۂ حالی: اسماعیل پانی پتی؛ پانی پت؛ حالی بک ڈپو؛ ۱۹۳۵ء؛ ص ۵۶۔۵۷

۲۔ ایضاً: ص ۵۸

۳۔ مقدمۂ شعر و شاعری: لاہور؛ کشمیر کتاب گھر؛ س ن؛ ص ۱۱۳

۴۔ ایضاً: ص ۱۳۷، ۱۳۵، ۱۳۴

۵۔ ایضاً: ص ۱۳۹

۶۔ ایضاً: ص ۱۴۷، ۱۴۵

۷۔ ایضاً: ص ۱۵۵

۸۔ ایضاً: ص ۱۶۱، ۱۶۰

۹۔ دیوانِ حالی: (مقدمہ رشید حسن خاں)؛ لاہور؛ القمر انٹرپرائزز؛ ۱۹۸۹ء؛ ص ۱۸

۱۰۔ مقدمۂ شعر و شاعری: ص ۵۲، ۵۰

۱۱۔ ایضاً: ص ۳۵

۱۲۔ ایضاً: ص ۳۶

۱۳۔ اردو غزل: لاہور؛ آئینۂ ادب؛ ۱۹۶۴ء؛ ص ۱۹، ۱۸